Vol. 6 No.4 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

اُردو غزل کے گمنام شاعر۔اجمالی جائزہ

AN OVERVIEW OF THE ANONYMOUS URDU GHAZAL POETS

محسن خالد محسنؔ

شعبہ اُردو(گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج،لاہور)

mohsinkhalid53@gmail.com

ڈاکٹر ساجد محمود

شعبہ اُردو(جی ایم کالج آف انٹرنیشنل سٹڈیز ، یو اے ای)

darsajidmahmood@gmail.com

ABSTRACT

Urdu language is proud that ghazal is one of its poetry genres, which has played a fundamental role in the evolution of Urdu language. The ghazal genre has been the favourite genre of poets in all eras. The evolutionary journey of Urdu ghazals spans nearly a thousand years. Thousands of poets embellished its fringes, nourished it with the utmost poetic passion, and made it worthy to be able to express all human themes and emotions in this rich way. Literary researchers, historians, and critics did not recognise the worth of hundreds of Urdu poets due to personal preference, prejudice, and the expedient oppression of their era, due to which the original work and quality of these poets could not be revealed. In this paper, these anonymous poets are briefly mentioned, which will help in understanding the intellectual stature and poetic value of the anonymous poets.

Key words: *Urdu ghazal, classical poets، literary style,social consciousness, critical prejudices, British influence, post-classical trends, aesthetic harmony*

خلاصہ: اُردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کی شعری اصناف میں غزل ایسی شعری صنف موجود ہے جس نے اردو زبان کے ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ صنفِ غزل ہر دور میں شعرا کی محبوب صنف رہی ہے۔ اردو غزل کا ارتقائی سفر قریباً ہزار برس کو محیط ہے۔ ہزاروں شعرا نے اس کی زلفوں کو سنوارا اور اپنے خونِ جگر سے اس کی پرورش و پرداخت کی اور اسے اس لائق بنایا کہ جملہ انسانی موضوعات اور جذبات کی یہ بھرپور ترجمانی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ادبی محققین، مورخین اور نقاد حضرات نے اردو کے سیکڑوں شعرا کو ذاتی پسند، تعصب اور اپنے عہد کے مصلحتی جبر کے پیشِ نظر منہ نہ لگایا جس کی وجہ سے ان شعرا کا اصل کام اور معیار سامنے نہ آسکا۔ اس مقالہ میں ان گمنام شعرا کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے جس سے گمنام شعرا کی فکری قدو قامت اور شاعرانہ وقعت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

کلیدی الفاظ: اُردو غزل، کلاسیکی شعرا، صنفِ غزل ، شاعرانہ احساس، سماجی شعور، ناقدانہ تعصبات، برطانوی تسلط، مابعد کلاسیکی رجحانات، جمالیاتی آہنگ

اُردو غزل اُردو زبان کی محبوب شعری ہے جس میں جذبات و احساسات کی ترسیل احسن انداز میں کی جاتی ہے۔ شعری اصناف میں سب سے زیادہ اہمیت غزل کو حاصل رہی ہے اس کی وجہ اس کا سانچہ، بیانیہ، انداز، اور پیش کش کا سلیقہ ہے جس نے اسے عوام و خواص میں آغاز سے تاحال پسندیدہ بنائے رکھا ہے۔

اُردو غزل کا سفر ہزار برس کو محیط ہے۔ اس عرصہ میں اِس نے عروج و زوال کے کئی دور دیکھے تاہم اس کی گردن ماری نہ جا سکی اور ہنوز اس کے مخالفین کی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ جب تک اُردو زبان رہے گی؛ غزل کی صنف بھی موجود رہے گی اور اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی بدستور اپنی اہمیت و وقعت کے ساتھ باقی رہے

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

گا۔ذیل میں اختصار کے ساتھ اُردو غزل کے اُن گمنام شعرا کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے جنھیں نقادوں نے جان بوجھ کر نظر انداز کیے رکھا اور ان کی فکری و فنی صلاحیتوں سے ان کی شخصیت کے انفرادی پہلوؤں کو سامنے نہیں آنے دیا۔

یوں لگتا ہے ادبی محققین نے باہم ایک حد بندی اور معیار قائم کر لیا ہے جس سے باہر متجاوز کرنے سے انھیں موت پڑتی ہے۔سوال یہ ہے کہ ہر دور میں ہر پھر کر بس دو چار شعرا سامنے کیوں آتے ہیں اور پھر ان کی گروپ بندی ایسی مضبوط ہوتی ہے کہ تغزل کہنے والا اور شعری حساسیت کا گہرا ادراک رکھنے والا نقادوں کے اس گروپس اور تعصب بھری ادبی محافل میں ٹکنے نہیں پاتا۔رہی سہی کسر پروگنڈہ کے حامل مشاعرے نکال دیتے ہیں جس میں صدرِ مشاعرہ کے پاوں دابنے والے اصیل اور جنیوئن شعرا پر ایسے کاری وار کرتے ہیں کہ بچارے منہ چھپا کر گمنامی کی موت مر جاتے ہیں۔

گمنامی کا یہ سلسلہ کلاسیکی دور سے شروع ہوا اور ہنوز جاری ہے۔تقسیم سے پہلے لکھنو اور دہلی کے دو اسکول آف تھاٹ تھے۔ان کے اپنے اصول اور قاعدے تھے جس میں فٹ ہونا بہت کم خوش نصیبوں کو میسر تھا۔ہزار ہا شعرا اس دور کے ممتاز شعرا کے آگے اپنا چراغ نہ جلا سکے اور وقت کی آندھی نے ان کے فکر و فن پر مٹی ڈال کر انھیں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا۔

تقسیم کے بعد پاکستان میں لاہور، کراچی دو بڑے مرکز بنے اور پھر لاہور کے گروپ میں مزید کئی گروپ بن گئے اور پھر شاخ در شاخ شعرا کو منقسم کرنے اور ان کی ٹانگیں کھینچنے اور ان کے فکر و فن پر اعتراضات اُٹھا کر انھیں مرکز اور عوام اور پبلشرز سے دور کر دیا گیا۔رسالوں میں چھپنے کے لیے ہر دور کے ممتاز شعرا کے آگے گھٹنے ٹیک کر ان کی خدمت بجالانا پڑتی تھی تب کہیں کوئی غزل چھپ جائے تو چھپ جائے ورنہ اپنی موت آپ مر جائے کسی کو کوئی پروا نہیں۔

وقت بدل چکا۔اب سوشل میڈیا دور ہے۔فیس بک، یوٹیوب وغیرہ نے شعرا کے آسانی پیدا کر دی ہے۔غزل کہیے اور اپ لوڈ کر دیجیے؛ پوری دُنیا کے ناظرین آپ کے لیے میسر ہیں۔جس دیئے میں جان ہو گی وہ دیا رہ جائے گا کے مصداق جس شاعر میں جس قدر فکری اُٹھان اور شعری حساسیت کا ادراک ہے وہ سامنے آتا ہے اور نمایاں ہو جاتا ہے اور اساتذہ میں شمار ہوتا ہے۔

وقت سب سے بڑا احتساب گر ہے۔نقاد خواہ کچھ بھی کر لے، جس شعر میں سکت ہے وہ نہیں مرے گا اور جس میں کچھ نہیں ہے وہ داد کے شور میں دب جائے گا۔اس مفصل تمہید کے بعد ذیل میں اختصار سے گمنام شعرا کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے بارے میں تذکروں، سوانح نویسوں اور مورخین نے قلم اُٹھایا ہے مگر حق ادا نہیں کیا ہے۔ان شعرا کے فکر و فن پر انتہائی اختصار سے رائے دی ہے اور بطور نمونہ شعر بھی درج کیا ہے تاکہ ان کی شاعرانہ اُٹھان اور فکری تموج کا اندازہ لگایا جا سکے کہ یہ شعرا اپنے دور میں کس طرح اردو غزل کے ارتقا کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کر رہے تھے اور صنفِ غزل کو انھوں نے کس طرح دیکھا، جانا اور برتا۔

امیر خسرو سے غزل کی نک سک درست ہونے کے بعد ایک دور گزرتا ہے جس میں بڑے مہان شعرا سامنے آتے ہیں۔اس دور میں فیروز نامی شاعر کی بازگشت بھی تذکروں میں سنائی دیتی ہے۔فیروز کی غزلیات میں فارسی زبان کا آہنگ ملتا ہے۔فیروز نے اُردو غزل کے سانچے میں فارسی اسلوب کی آمیزیش کی جس سے غزل کو فارسی کلاسیکیت سے جوڑنے کا یہ اہم کام سامنے آتا ہے۔

؎ فیروز جے صمد کا دیکھن جمال صوری ہر حال اس صنم کا آکھیں خیال من میں

فیروز کا ہم عصر شاعر محمود گزرا ہے جسے محمود بحری کہا جاتا ہے۔اس نے غزل میں طبع آزمائی کی۔اس کے تذکروں میں موجود نمونوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے کلام میں فارسی اسلوب کا غلبہ موجود ہے۔محمود کے کلام میں فیروز کی نسبت گہرائی اور رمزیت زیادہ پائی جاتی ہے۔

؎ ڈرتا ہوں میں اس مستِ سیہ چشم سوں آخر بے دیں گریں محمود سے سجادہ نشیں کوں

اس دور کا اہم ترین شاعر ملا خیالی ہے جس کی گولکنڈہ میں بنی مسجد کے نشانات ہنوز موجود ہیں۔اس کی غزل کا رنگ و آہن نسبتاً سہل اور آسان ہے۔اس نے چھوٹی بحر کا استعمال کیا اور حُسن کو عشق کے مضامین سے اُردو غزل کو سہارا دیا۔

؎ یہ بول بولتا ہوں موتی سوں رولتا ہوں امریت گھولتا ہوں گھٹ دودھ کے رنجن میں

اسی دور کا ایک اہم شاعر شیخ احمد گجراتی ہے جس نے مہاجر شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔اس کے کلام میں غزل کو عورتوں کے متعلقات تک محدود رکھنے کا سلیقہ دکھائی دیتا ہے۔شیخ احمد گجراتی کی غزل میں حُسن و محبت اور عشق کے مضامین کی فروانی پائی جاتی ہے۔

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

؎ عجب کل رات دھن سوں نو ایک معجزہ دیکھا کہ سارے چاند دو نرمل سو یک چولی بھیتر نکلے

شہباز حسینی کا نام اسی دور کے شعرا میں لیا جاتا ہے جس نے تصوف کے مضامین کو اخلاقی پرتو میں باندھا۔ خواجہ بندہ نواز سے عقیدت کا اظہار اس کی غزل میں غلبہ کیے ہوئے ہے۔

؎ گھوڑے کوں بہتر گھوڑے ہے اس کوں نہ حکمت جوڑے ہر زم ذکر سوں توڑے ہے غافل نہ ہو ہوشیاراں

بیجار پور کی سلطنت میں دیدارؔ فانی کا نام کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ دیدار فانی نے اُردو غزل کو فارسی آہنگ سے متصف کیا۔ دیدار نے قافیہ بندی کو غزل کا مرقع قرار دیا۔

؎ جے مست ہے درس کے ان کو شراب کیا ہے جس کا گزک جگر ہے تسکوں شراب کیا ہے

اس دور کے دیگر اہم شعرا میں شاہ امین الدین اعلیٰ کا نام قابل ذکر ہے جس عاشقانہ نظمیہ طرز بہت مقبول رہی۔ امین الدین کا ہم عصر شاعر سید میراں ہاشمی علی عادل شاہ کا پسندیدہ شاعر تھا۔ ہاشمی نے انسانی جذبات کو مختلف آہنگ اور تنوع میں بیان کیا ہے۔ اس کی غزلیات کا رنگ نسائیت زدہ ہے اور محاورات کے استعمال کی ہنر مندی داغ کی یاد دلاتی ہے۔

؎ کرو جو کچھ دو راضی ہے سنو یو ہاشمی پھر پھر جو کوئی رہتی ہے جب یکایک ہاتھ پکڑے پر

محمد امین الدین ایاغیؔ بھی ہاشمی کی طرز پر چلا۔ اس نے سماج کے پروردہ نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس کی غزل میں اُستاد شعرا کی تقلید کا رنگ غلبہ کیے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔

؎ زمین پر سورج کوئی دیکھیا نیں ایاغیؔ تجھے دیکھ حیران ہے

سید محمد فراقی معاصرین ولی میں ایک بڑا نام ہے جس نے بیک وقت مثنوی اور غزل میں نام کمایا۔ فراقی نے جذباتِ عشقیہ کو غزل کا سراپا بنا دیا۔ فراقی کے مضامین میں حسن و عشق، ناصحائی، پند و اعظ، عشوہ و غمزہ کے ساتھ معاشرتی و تہذیبی انحطاط کا بیان ملتا ہے۔ زبان و بیان پر یکساں گرفت نے فراقی کی غزل کے سانچے کو ثقیل کیا۔

؎ ہمنا کے دل کو جس دم تم لے چلے پیارے مونھ تکتے رہ گئے یہ ہمدم سبھی بچارے

؎ شکر کرنا جو کچھ دیا سو خدا منتِ صبح و شام نا لینا

آنند رام مخلص نے اُردو غزل کو فارسیت زدہ ہونے سے بچایا۔ آنندؔ نے کتاب دانی کے شغل کو عمر بھر جاری رکھا۔ ان کا وسیع مطالعہ غزل کی فضا کو اکثر متاثر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ فارسی روایت سے انحراف کر کے ریختہ گوئی کو اختیار کیا اور غضب کے شعر نکالنے میں کامیاب ہوئے۔

؎ کریں گے فصلِ گل سے دھوم، آشنا ہے باغباں اپنا قدیمی صاحب اپنا، مشفق اپنا، مہرباں اپنا

لالہ ٹیک چند بہارؔ دیلوی نے غزل کو فارسی روایت سے جدا کر کے ریختہ رجحان سے آمیختہ کیا۔ زبان دانی اور لغت نویسی کے تدوین میں بیشتر وقت صرف ہونے کی وجہ سے غزل کی طرف دھیان نہ دے سکے۔ شعر کہنے کا سلیقہ رکھتے تھے تاہم غزل کی زیادہ خدمت نہ کر سکے۔

؎ کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجھ کو دیکھ امید چھوٹنے کی نہیں اس بہار بیچ

درگاہ قلیؔ خاں نے نثر میں زیادہ کمال دکھایا۔ شاعری کی طرف کم توجہ دی۔ غزل میں طبیعت موزوں پر کچھ کہہ لیتے تھے۔ مرقع دہلی کی تخلیق نے انھیں اپنے عہد کا بڑا انشا پرداز بنا دیا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے منتخب کردہ اشعار سے ان کی غزلیہ معنویت کا اندازہ ہوتا ہے۔

؎ بغیر اس کے کہو کون شاہِ مرداں ہے خدا نے سیف دیا اور رسول نے دختر

میر غلام علی آزادؔ بلگرامی کے ہاں قلی خان کی نسبت غزل کی طرف رغبت زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ آزاد نے عربی و فارسی میں ضخیم دیوان چھوڑا۔ ریختہ میں چند غزلیں کہیں جو اس زمانے کے سیاسی و تہذیبی احوال کی ترجمان ہیں۔

؎ باغ میں جانا ہے میرا کام کا شوق ہے مجھ کو گلابی جام کا

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

دکن کے ساتھ یعنی جنوبی ہند کے ساتھ شمالی ہند میں بھی اُردو غزل کو ایسے شعرا میسر آئے جنھوں نے اُردو غزل کی تراش خراش اور نکھ سکھ سنوارنے میں اپنا حصہ ڈالا جسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

محمد سجادؔ صاحب دیوان شاعر تھا۔اس نے ایہام کے رنگ میں ڈوبنے کے باوجود مضمون کی فصاحت کو برقرار رکھا اور عمدہ شعر نکالے۔اس کے اشعار پڑھنے والے پر اثاتاثر چھوڑتے ہیں۔

؎ میں جو اُس کی گلی میں جاتا ہوں دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

احسن اللہ خاں احسنؔ مذکور شعرا کے مقابلے میں سنجیدہ مزاج کے شاعر تھے۔انھوں نے ایہام گوئی کے ذائقے کو ضرور چکھا تاہم اپنی انفرادیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔

؎ ترس تجھ کو نہیں اے شوخ اتنی کیا ہے ترسائی ترے دیدار کو میں دیدہ تر کو کھڑا ترسوں

فائزؔ دہلوی نے ایہام کے رنگ کو جزواً قبول کیا۔ان کی غزل میں تشبیہات واستعارات کا نظام ملتا ہے۔فائز نے غزل کی رمزیت کو ابہام سے متشکل کرنے کی بجائے تفہیم کے معیار پر رکھا ہے جس سے شعر کا قد بڑھ گیا ہے۔

؎ دل لبھاتا ہے سب کا وہ ساجن دل فریبی میں اس کو کیا فن ہے

میر مہدی بیدارؔ نے کلاسیکی رنگ سخن کو زبان کی صفائی اور شعر کہنے کی فطری صلاحیت سے ثقیل کیا ہے۔بیدار کے موضوعات معاشرے سے متصل ہیں جس میں اخلاق وتصوف اور اقدار کی تنزلی کا جگہ جگہ ذکر ملتا ہے۔

؎ ہم خاک بھی ہو گئے پر اب تک جی سے نہ ترے غبار گیا

سید عبدالولی عُزلتؔ نے اپنے وطن میں مہجری حیثیت سے عمر گزاری۔ان کی غزل پر ابہام کے اثرات دربدری کی مسافرت کے پیشِ نظر کم پڑے۔عزلت کی طبیعت کا رجحان خارجی مظاہر کی تصویر کشی پر مائل نظر آتا ہے۔

؎ نہ پہنچیں بلبلوں کی پختگی کو خام پروانے جو دائم سلگیں ان کو پل میں جل جانے سے کیا نسبت

فدویؔ لاہوری مرکز سے دور رہ کر غزل کی تراش خراش کے عمل سے تنہا گزرے۔فدوی نے مثنوی نے شہرت پائی۔ان کی غزل کا رنگ منفرد اور جداگانہ اسلوب کا حامل ہے۔ان کی غزل پر مثنوی کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔

؎ اے فلک ساغر وخورشید پہ نازاں مت ہو ہم نے یہ دور خرابات میں چلتا دیکھا

داؤدؔ اورنگ آبادی نے اُمید وحرارت کی شاعری کی۔ان کا ذکر شاہ حاتم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔داود نے شعر کو پڑھنے سے زیادہ گنگنانے کی چیز بنایا۔موسیقی اور روانی ان کی غزل کا خاص رنگ ہے۔

؎ مرا احوال چشمِ یار سے پوچھ حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

ثناءاللہ فراقؔ نے غزل کی تنگ دامانی کو قسم قسم کے الفاظ سے وسعت دینے کی کوشش کی۔فراق نے زبان میں تجربے کیے اور منفرد رنگ کے چکر میں اساتذہ کے رنگ کو بھی نہ نبھا سکے۔کہیں کہیں شعر میں تازگی اور دلکشی دکھائی دے جاتی ہے۔

؎ آنکھوں ہی نے اس شوخ سے یاں راہ نکالی ساتھ اپنے ڈبویا مجھے کیا چاہ نکالی

خواجہ احسنؔ بیان کی غزل کا رنگ قدیم طرزِ فکر کا نمایندہ ہے،انھوں نے غزل کے ظاہری پیکر کو داخلی اساس سے کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔بیان نے طبیعت کے پیش نظر شعر کہے جس سے اشعار کی بُنت میں ورودِ دلی کا عکس جھلکتا ہے۔

؎ رُسوا بھی سے کرتی ہے اے چشمِ تر مجھے آنا ہے اس کی بزم میں بارِ دگر مجھے

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

عبدالحہ تاباںؔ کی شاعرانہ تربیت مصحفی و حاتم کے ہاں ہوئی ہے۔تاباں نے غزل کی صوتی اور صوری معنویت کو جذبے کی شدت سے اظہار کا پیرہن بنانے کی کوشش کی جس میں ان کے حُسن کی مبالغہ آمیز پرستش کا عنصر غلبہ کیے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔زبان و بیان میں سادگی اور سہل انگاری کا لطف مصرعوں کی مقیش تراش خراش سے ہوتا ہے۔

؎ تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے آہ یہ چاہنا ایسا ہی برا ہوتا ہے

جعفر علی حسرتؔ کا ذکر میر و سودا کے عہد میں نہ لیا جائے تو یہ ان سے زیادتی ہوگی۔ جعفر نے غزل میں خوب ریاضت کی۔ان کے ہاں معاملہ بندی اور خارجیت کا تنوع ایک جدت لیے ہوئے ہے جو بعد کو مومن کے ہاں پوری شان سے جلوہ گری دکھاتا نظر آتا ہے۔مولوی عبدالسلام لکھتے ہیں:"جعفر لکھنو اسکول کے بانیوں میں شمار کیے جاتے ہیں،انھوں نے دہلوی معاصرین کے رنگِ سخن سے علاحدہ رنگ اختیار کیا جو جذبات سے زیادہ واقعہ نگاری اور معاملہ بندی کے گرد گھومتا ہے"[۱]

؎ بھلی خو ہے تمہیں اے جان کچھ محبوب ہونے کی اِدھر منہ کو کرو یہ بھی کوئی صورت ہے سونے کی

جعفر کے بعد میر و سودا کے عہد کا اہم نام میر محمدی بیدارؔ ہے جو صوفی منش تھے۔انھوں نے غزل کو صوفیانہ مزاج سے ہم آہنگ کیا۔فرید گنج شکر کے معتقد ہونے کی وجہ سے غزل کا سراپا صوفیانہ بناڈالا۔

؎ آنکھوں میں چھا رہا ہے از بسکہ نور تیرا ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگ و ظہور تیرا

شیخ قدرت اللہ قدرتؔ آس دور کے قابلِ توجہ شاعر ہیں۔ان کے کلام میں سیاسی ارزانی اور تہذیبی انحطاط کا بیان ملتا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:"قدرت فکر و خیال کے شاعر ہیں،ان کی شاعری کا رخ شعورِ ادراک کے ساتھ جذبے کی گرمی سے لگا کھاتا ہے"[۲]

؎ جہاں ترا نقشِ قدم دیکھتے ہیں خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

سید ظہیر الدین ظہیر کی غزل کا درباری رنگ کلاسیکی طرز سے جدا تشخص رکھتا ہے۔ ظہیر نے اساتذہ کی تقلید بھی کی اور اپنی انفرادیت بھی قائم کی۔ مومن کی طرح ان کی مضامین کا عشقیہ رنگ عشوہ و غمزہ کے گرد گھومتا ہے۔

؎ چاہت کا جب مزا ہے کہ وہ بھی ہوں بے قرار دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

انورؔ دہلوی کی غزل میں قادر الکلامی پائی جاتی ہے۔سنگلاح زمینوں کے بکثرت استعمال نے مضمون کی چستی اور بندھن کو مبہم کر دیا ہے۔زبان کی تراش خراش میں خیال کی نزاکت کو کھردرا کر دیتے ہیں۔سیکڑوں شاگرد مع دیوان کے یادگار چھوڑے۔

؎ کیسی حیا کہاں کی وفا پاسِ خلق کیا ہاں یہ سہی کہ آپ کو آیا یہاں نہ تھا

مذاقؔ بدایونی کے عمر بھر سیاحت میں گزاری،ان کی غزل پر بدیسی مسافرت کا رنگ نمایاں ہے۔ شعر کا شغل طبیعت کی تازگی اور مزاج کی شگفتگی کو بحال رکھنے کے لیے کرتے تھے۔روایت کے پاسدار رہ کر عمدہ شعر نکالے اور اساتذہ فن میں شمار ہوئے۔

؎ لب ہلاتے نہیں ایسی بھی خود آرائی کیا بات کرنے میں بگڑ جائے گی مرزائی کیا

اسیر لکھنوی کا شمار مراثی گو شعرا میں ہوتا ہے۔اسیر نے لکھنوی رنگ کو پوری طرح اختیار کیا اور اساتذہ میں شمار ہوئے۔ان کے کلام میں نسائی جذبات سے متصل حرکات و سکنات کا بیان کثرت سے ملتا ہے۔

؎ عمر بھر ترے گھر رہے صیاد اب کہاں جائیں ہم رہا ہو کر

فقیر محمد گویاؔ کے ہاں شاعرانہ عظمت ملتی ہے۔ان کی غزل میں کلاسیکی روایت کی شاعرانہ اُٹھان ملتی ہے۔ فقیر نے دیگر ذیلی شعری اصناف میں بھی طبع آزمائی اور کامیاب رہے۔انجم ملیح آبادی لکھتے ہیں:"فقیر محمد گویا شاعرانہ عظمت اور ادبی اہمیت کے معترف شاعر ہیں۔ناسخ نے بہت عزت دیتے تھے۔ فوجی ہونے کے بعد طبیعت موزوں پائی تھی،اچھے شعر نکالنے کا فن رکھتے تھے۔"[۳]

؎ راحت کے ساتھ رنج بھی ہے روزگار اپنا ہنسنے پہ گل کے روتی ہے شبنم بہار میں

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

سید ذکریا ذکیؔ عشقیہ مضامین باندھنے میں ملکہ رکھتے تھے۔ان کی غزل کا رومانی انداز بہت بعد کو اختر شیرانی کی یاد دلاتا ہے۔ذکی نے کلام میں مشکل پسندی کی طرف طبیعت کے رجحان کے باوجود سادگی اور سلاست کو برقرار رکھا۔

؎ ہم جان و دل تو نذرِ غمِ عشق کر چکے　　　　حیران ہیں لٹائیں گے راہِ وفا میں کیا؟

میر مہدی مجروحؔ غالب کے عزیز شاگردوں اور فیض پانے والوں میں سر فہرست ہیں۔مجروح نے استاد غالب کے برعکس غزل کو سادہ، آسان اور عام فہم رکھنے کی شعوری کوشش کی۔ان کے خیال کی سطح معمولی لیکن اندازِ بیان فنی پختگی پر منحصر ہے۔

؎ یہ سوجھتی ہے رہائی نہ موت آتی ہے　　　　نہ مہرباں ہے قسمت نہ مہرباں صیاد

قربان علی سالکؔ بھی فیضانِ غالبؔ ہیں۔قربان نے غزل میں مومن کا رنگ اپنایا۔معاملہ بندی اور تشکیک کی آمیزش سے شعر کو دلچسپ اور معنی خیز بنا دیتے ہیں۔اکثر اشعار توجہ کو مبذول کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

؎ کچھ ہو پر ان کو جانبِ اغیار دیکھنا　　　　اک بار منع کیجیے تو سو بار دیکھنا

زین العابدین عارفؔ غالبؔ کے بھیجتے تھے۔جوانی میں انتقال کیا۔غزل کے عمدہ شاعر تھے۔کلام میں متنوع رنگ ملتے ہیں۔اشعار چست اور گداز کی کیفیت سے لبریز ہیں۔

؎ دے چکا ہے ترے بیمار کو عیسیٰ تو جواب　　　　لبِ جاں بخش ترے دیکھیے کیا کہوتے ہیں

صدرالدین آزردہؔ غالبؔ کے طرفداروں میں سر فہرست شاعر تھے۔آزردہ نے غزل کو اخلاق و اوصافِ انسانی کے اظہار تک محدود رکھا۔ان کی غزل کا کی بنیاد پند و نصائح کے مضامین پر استوار ہے، کہیں کہیں رومانوی انداز بھی اختیار کرتے ہیں۔

؎ مکھڑا وہ غضب کا زلف سیاہ فام وہ کافر　　　　کیا خاک جیے کوئی، شب ایسی سحر ایسی

میر حسین تسکینؔ کی غزل کا بیانیہ معاملہ بندی اور شوخی و صفائی سے تشکیل پایا ہے۔غزل کو تغزل بنانے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔سادگی اور سلاست سے اشعار سراپا مرقع بنا گئے ہیں۔

؎ اب یہ حالت ہے کہ ان سا بے درد　　　　میرے بچنے کی دعا مانگے ہے

میر نظام الدین ممنونؔ کے ہاں زبان کی گرفت ان کے موضوع کے کڑے انتخاب سے معلوم ہوتی ہے۔ممنون نے سطحی خیال کو باندھنے سے گریز کیا ہے۔سہل ممتنع ان کی پسندیدہ ہُنتِ شعری ہے۔اچھے شعر نکالنے کا فن بخوبی جانتے ہیں۔

؎ یہ نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائے گا　　　　ہم یہ سمجھے تھے چلے آئیں گے دم بھر دیکھ کر

آغا جان عیشؔ کی زندگی کا بیشتر حصہ استراحت میں گزرا۔ان کی غزل میں گہرائی اور داخلیت موجود نہیں۔مصنوعی درد کی اذیت کو بیان کرنے کا خداداد سلیقہ رکھتے ہیں۔اواخر زمانہ میں مصائب کے ہاتھوں زمانے کی تلخیوں کا تجربہ میسر آیا تو شعر میں جان آ گئی۔

؎ کس منہ ہم کریں گے بھلا یار کا گلہ　　　　ہم کو تو عیش شکوہ اغیار بھی نہیں

امانت لکھنویؔ نے ڈراما میں شہرت حاصل کی۔ان کی غزل نثری تخلیق کے آگے دب گئی۔امانت نے غزل کو خارجی مضامین کے اظہار کے لیے عمومی اور داخلی جذبات کی عکاسی کے لیے خصوصی طور پر برتا۔ان کے اشعار دلچسپی اور اثر سے خالی نہیں۔

؎ نہ بات کی لبِ شیریں سے یار نے اک دن　　　　پڑی گرہ پہ گرہ دل کی نیشکر کی طرح

؎ جو میٹھی میٹھی نظروں سے وہ دیکھے　　　　کہوں آنکھوں کو میں بادامِ شیریں

سید محمد رندؔ دربار اودھ کے نمایاں شاعر تھے۔انھیں دربار کی آسائش ایسی بھائی کہ سخن گوئی سے عاجز آ گئے۔جو کچھ لکھا وہ یادگارِ زمانہ ہے۔رند کی زبان پر گرفت شعر کی فنی پختگی کا پتہ دیتی ہے۔لکھنو کے ٹھیٹھ رنگ میں انھوں نے جو اشعار کہے وہ ضرب المثل ہو گئے۔

؎ نہ دکھلایا کسی دن بوند بھر پانی پسینے نے　　　　ترا چاہِ ذقن اے جانِ جاں اندھا کنواں نکلا

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

وزیر علی صباؔ کی غزل میں زبان کی صفائی کے علاوہ خیال کی سطحیت ہر جگہ کوندتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔صبا نے خیال کو پختہ کرنے کی بجائے تراش خراش اور شعر کے بناوٹی حُسن کو زیادہ فوقیت دی ہے۔لکھنوی رنگ کا خارجی اثر ان کے ہاں سراپا غزل بن گیا ہے۔کچھ اشعار توجہ کھینچتے ہیں۔

؎ دل میں اک درد اُٹھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

عبدالحمید پریشاںؔ کی غزل میں زبان کی فنی چابک دستی خیال سے سبقت لے گئی ہے۔تشبیہ،استعارہ،تراکیب اور تلازموں سے غزل کی زمین کو بوجھل کر دیتے ہیں۔آمد کی نسبت آورد کا تاثر زیادہ ملتا ہے۔شعر عمدہ کہہ لیتے ہیں لیکن پوری غزل معیار کو نہیں پہنچتی۔

؎ لپٹ کے پتوں سے دیتی ہے واہ واہ کی صدا جواب دیتی ہے بلبل کا ہر سخن میں صبا

شوق نیموی قدآور شاعر تھے۔ان کی غزل میں داغ کے رنگِ سخن کا ذائقہ ملتا ہے۔مثنوی نگاری میں شہرت حاصل کی۔غزل کہی مگر غزل گوئی میں نمایاں نہ ہو سکے۔حسن اور عشق کی کشمکش کا خارجی بیان ان کی غزل میں ملتا ہے۔سادگی سلاست اور تازگی شعر کو پھیکا نہیں ہونے دیتے۔

؎ نیم جاں رکھتی ہے کیوں اپنی ادا سے پوچھو ہم تو تیار ہیں مرنے کو قضا سے پوچھو

بسملؔ سنہاروی کا رنگِ غزل کلاسیکی روایت سے عبارت ہے۔بسمل نے روایتی الفاظ و موضوعات کو ہی اپنی غزل کا حصہ بنایا۔ان کا اپنا کوئی انفرادی رنگ نہیں۔ان کے ہاں نظمیہ اسلوب کا گہرا پرتو اشعار کی فضا کو متاثر کرتا دکھائی دیتا ہے۔

عرش گیاوی نے غزل کو حوادث کا ترجمان بنایا۔ان کی طبیعت میں لااُبالی پن تھا مگر حالات کی سنگینی نے ماتم سرا بنا دیا۔غزل کا رنگ پوری طرح حُزنیہ لے میں ڈوبا ہوا ہے۔شعر عمدہ نکالنے کا فن قدیم روایت کے تتبع سے اخذ کیا۔

؎ آسماں بھی فرقت جاناں میں پیچھے رہ گیا لے چلی آگے کہاں اشکوں کی طغیانی مجھے

امیر اللہ تسلیمؔ کی غزل میں صفائی بیان کا بیانیہ خوش کن اور دلآویز ہے۔امیر خیال کو زبان پر حاوی رکھتے ہیں۔امیر کی امیجری غضب کی ہوتی ہے۔سادگی اور سادہ دلی کا حسین امتزاج امیر کی غزل کا منہ بولتا نمونہ ہے۔

؎ مر گئے حُسن جاں فزا کے لیے مل گئے خاک میں شفا کے لیے

صفیر بلگرامی نے متعدد جہات پر کام کیا۔ان کی بیسار نویسی غزل کے کینوس کو شاعرانہ وقار نہ دے سکی۔پروفیسر وہاب اشرفی لکھتے ہیں: "صفیر نے غزل کو تغزل کے بیانیے سے متصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔[۳] مختصر یہ کہ ان کے ہاں پھیکا پن اور سپاٹ انداز شعر کی لطافت کو گہنا دیتا ہے۔

؎ تمہارے رنگ کی پائی کہاں سے آگ نے تاب تمہارے چہرے کی آئی کہاں سے آب میں آپ

سرورؔ جہاں آبادی نے نظم میں شہرت حاصل کی۔بطور غزل گو انھیں زیادہ پذیرائی نہ مل سکی۔ان کی عشقیہ شاعری اپنے عہد کی رومانوی صورتحال کا عکس پیش کرتی ہے۔مشرقی نسائی جذبات کو بیان کرنے کا خداداد سلیقہ رکھتے ہیں۔

؎ ہر آئینہ میں عکس ہے اس کے جمال کا اہل نظر ہے شرط مگر امتیاز عشق

صفی لکھنوی نے غزل کو فنی اعتبار سے اتنا تراشا کہ خیال کی سطحیں ادھڑ گئیں اور چیز پڑھنے سے زیادہ ہنسنے کی چیز بن گیا۔صفی نے خود ساختہ ہجر کے مزے لیے اور شعر کو قصیدے کی طرح پھیلا دیا۔

؎ تو بھی مایوس تمنا مرے انداز میں ہے جب تو یہ درد پپیہے تری آواز میں ہے

اکبرؔ داناپوری کی غزل میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔اکبر نے عشق اور معشوق کے درمیان ہونے والی وارداتوں کا جملہ احوال غزل میں بیان کیا۔ان کے یہاں آتش کی عقیدت کا رجحان موضوعات کے تتبع کے ساتھ در آیا جس سے ان کی غزل کا اجتماعی رُخ اخلاق و تصوف و انسانی اقدار کی طرف پلٹ گیا۔کلیم عاجز نے لکھا: "اکبر دانا پوری صرف شاعر نہیں بلکہ صوفی شاعر ہیں۔"[۴]

؎ درد اُٹھتا ہے تو ہم کو بھی اٹھا لیتا ہے ناتوانوں کے لیے یہ سہارا اچھا

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

میر وزیر علی صبا لکھنوی مزاج کے دلدادہ تھے۔ان کی غزل میں بے ثباتی اور دنیا کی رونق سے بیزاری کا رنگ نظر آتا ہے۔صبا نے عیش پرستی کو رونقِ دنیا کی لایعنیت سے متصل کر کے دیکھا ہے۔صبا کا کلام ان کے عہد کی مجموعی صورتحال کی عکاسی کرتا ہے۔

؎ ناداں ہیں جو رکھتے ہیں امید کسی سے جز ذات خدا کوئی کسی کا نہیں ہوتا

فضل حق آزاد نے غزل کو عوامی موضوعات کا مرقع بنایا ہے۔فضل نے کلاسیکی رنگ میں بے تکلفی کا تڑکا لگا کر غزل کو زندگی کی رنگا رنگ جلوہ آرائیوں کی طرف لانے کی کوشش کی ہے۔ڈاکٹر روحی حسن لکھتی ہیں:"آزاد نے اساتذہ کی تقلید کر کے اپنے انفرادی کو زائل نہیں ہونے دیا بلکہ سبھی سے استفادہ کر کے اپنا رنگ مزید واضح کیا ہے۔"[۵]

؎ دن رات یہاں ہے آنکھوں سے ساون کی جھڑی بھادوں کی بھرن ابر آنکھیں لڑانے آیا تھا دیکھا تھا بہت محجوب گیا

علی اوسط رشک نے تین دیوان غزلیات یادگار چھوڑے،ان کی غزل میں لکھنوی اور دہلوی دونوں اسلوبِ شعری ملتے ہیں۔ڈاکٹر ابولیث صدیقی نے لکھا:"رشک کی شاعری کا مزاج دولختہ ہے۔دروں بینی اور وارداتِ قلبی ان کے کلام میں کم ہونے کے باوجود زبان پر گرفت سے اشعار تراشنے کا سلیقہ انھیں خوب آتا ہے۔"[۶]

؎ بے خطا دل کا خوں کیا اس نے دم نہ اس بے گناہ نے مارا

حسن بریلوی نے اپنی غزل کو کلاسیکی رنگ میں رچایا ہے۔ان کے کلام میں روانی،بے ساختگی اور باہم متفرق آوازوں کے اِدغام سے موسیقی کا عنصر پیدا ہوتا ہے جو قاری پر تادیر اثر رکھتا ہے۔

؎ میرے گھت تک پاؤں پڑ کر ان کو لایا تھا نیاز ناز دامن کھینچا سوئے رقیباں لے چلا

خواجہ محمد وزیر عمدہ غزل گو تھے۔انھوں نے ناسخ کے طرزِ سخن کو اختیار کیا۔اپنا کوئی انفرادی رنگ قائم نہ کر سکے۔ثقیل اور بوجھل الفاظ و تراکیب سے شعر کو حسن کو اکثر گہنا دیتے ہیں۔کہیں کہیں برجستہ اشعار توجہ کو کھینچتے ہیں۔

؎ چلا ہے اور دل راحت طلب کیا شادماں ہو کر زمین کوئے جاناں رنج دے گی آسماں ہو کر

شوق قدوائی کا نام اقبال کے ہم عصر شعرا کی شعری روایت میں شامل کیا جاتا ہے۔شوق نے غزل کو ابتدا میں جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا بعد ازاں مثنوی اور نظم کی طرف مائل ہو گئے۔

؎ اِترا کے آئینہ میں چڑھاتے تھے اپنا منہ دیکھا مجھے تو جھینپ گئے منہ چھپا لیا

آزاد انصاری کا شمار کلاسیکی روایت کے تتبع نگاروں میں ہوتا ہے۔آزاد نے غزل کی کلاسیکی روایت کو پوری طرح قبول نہیں کیا تاہم محاورہ بندی کا فنی التزام کلاسیکی شعریات سے اخذ کیا ہے۔علاوہ ازیں سادگی اور سلاست کے برجستہ استعمال سے عشقیہ موضوع میں جدت پیدا کر لیتے تھے۔

؎ آ مگر اس قدر قریب نہ آ کہ تماشا محال ہو جائے

؎ یوں یاد آؤ گے ہمیں اصلاً خبر نہ ہو گی یوں بھول جاؤ گے ہمیں وہم و گماں نہ تھا

دل شاہجہاں پوری کی غزل کا رنگ فنی تلازموں سے متصف ہے۔انھوں نے دبستانِ دہلی کے ٹھیٹھ روایتی اسلوب کی پیروی میں اپنا منفرد رنگ کھوٹا کر لیا۔مصرعے تراشنے اور حسن کی متنوع صورتوں کو صورت دینے میں ماہر تھے۔

؎ قدرت کی چمن آرائی کا گویا ایک اثر ہے دونوں پر غنچے ہیں کہ ہنستے رہتے ہیں شبنم ہے کہ روتی رہتی ہے

وحشت کلکتوی کا غزلیہ آہنگ روایتی اور ٹھیٹھ دہلوی ہے۔ان کی غزل میں نقالی اور تقلید عنصر کو سبقت میسر ہے۔وحشت نے خیال سے صورت بنانے کی کوشش کی ہے۔

؎ خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی تمام رات جلی شمع انجمن کے لیے

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

مبارکؔ عظیم آبادی قدیم وضع کے شاعر تھے۔ مبارک نے داغ استاد کے رنگ کو عمر بھر اختیار کیے رکھا۔ غزل کے موضوعات میں دنیا کی بے مروتی، بے حسی اور گلہ وماتم سر فہرست ہیں۔ مبارک نے تخیل پر زور دینے کی بجائے آورد پر محنت کی اور شعر کو فنی باریکیوں اور فکری تموج سے آشنا کرنے کی شعوری کوشش کی۔

ے اس طرف وہ ہاتھ میں خنجر بھنویں تانے ہوئے اُس طرف ہم سر نگوں بیٹھے ہیں کچھ ٹھانے ہوئے

شفقؔ عماد پوری کی غزل میں فصاحت، سلاست اور سوز و گداز کی ملی جلی کیفیت ملتی ہے۔ شفق نے غزل کو حاصل ویاس کی چیز بنایا ہے۔ اشعار کا خارجی رنگ نزاکت بھرا اور داخلی وصف کھوکھلا ہے۔ ثقیل الفاظ سے گریز کرتے ہیں اور صفائی وسادگی سے شعر پڑھنے کے لائق بنا لیتے ہیں۔

ے آؤ کہ دم اُٹھا ہے جو آنکھوں میں شب ہجر بیمار نے رہ رہ کے پکارا ہے قضا کو

رضا علی وحشتؔ اپنے عہد کے ممتاز شاعر تھے۔ اساتذہ کی تقلید کے شعوری سلیقے نے انھیں غزل کہنے کے فن سے پوری طرح آشنا کر دیا تھا۔ پروفیسر وہاب اشرفی لکھتے ہیں: "وحشت نے زبان پر قدرت کے باوجود اساتذہ فن سے دیکھنے کا عمل مسلسل جاری رکھا۔"[٦] وحشت کی غزل کا کوئی انفرادی رنگ نہیں بلکہ لکھنوی ودہلوی روایت کا ملغوبہ ہے۔

ے خود بہ خود آہی گیا کچھ شیوہ ارض نیاز اس سراپا ناز کو اپنے مقابل دیکھ کر

سریرؔ کابری تذکروں کی حد تک منقول ہوئے۔ بطور شاعر ان کی پذیرائی نہ ہو سکی۔ سر سیر نے کلاسیکی انداز میں لکھا اور درجن بھر مجموعے یادگار چھوڑے۔ ان کی غزل ان کے عہد کا نوحہ پیش کرتی ہے۔ بعض اشعار دل موہ لینے کی صلاحیت سے متصف ہیں۔

ے جسے تو نے سمجھا ہے زندگی اسی انقلاب کا نام ہے کبھی دن ہوا کبھی شب ہوئی کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

ے ان مہ وشوں کو پردے سے باہر نکال کے دُنیا مٹائی جاتی ہے حُسن و جمال کی

تمناؔ عمادی نے غزل کو تجربات کی آماجگاہ بنایا۔ ان کے ہاں رعنائی خیال کی بہتات نے شعر کے داخلی نظام کو مجروح کیا ہے۔ شعر کہتے کہتے بھٹک جاتے ہیں۔

ے نرگس کی آنکھ، سرو ساقد، برگ گل سے لب گلشن میں آج کون سراپا چمن گیا

ے شمع اچھی کہ پتنگوں کو جلا دیتی ہے آپ تو آگ لگاتے ہیں، جلاتے بھی نہیں

بسملؔ سعیدی نے غزل کو تصورات کا طلسم کدہ بنایا۔ ان کی غزل میں غم والم چولی دامن کی طرح شعر سے چپکا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ خوش رہنے کا سلیقہ سکھاتے سکھاتے ہجر کا ماتم کرنے لگتے ہیں۔ شعر کی زمین چست اور بیان ڈھیلا ڈھالا ہے۔

ے باغ میں آج تری یاد میں رونے کے لیے میں نے پھولوں کے تبسم سے نکالے آنسو

محمد حسن لطیفیؔ نے زیادہ تر پابند نظم لکھی تاہم غزل کو انھوں نے نظر انداز نہیں کیا۔ ان کی نظم کا پھیلاؤ محدود اور سطحی ہے اور غزل کا رنگ بھی ماٹھا ہے۔ نظم معری میں کچھ ادبیت کی شان پائی جاتی ہے۔

ے وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا

جمیلؔ مظہری نے غزل کو اظہار کا ذریعہ بنایا تو کتاب پر کتاب سامنے لے آئے۔ بسیار نویسی نے تغزل کی شان کو گھٹایا ہے۔ جمیل کی شاعرانہ معنویت ان کی سطحی شاعری سے گھٹ گئی ہے۔ عمدہ شعر نکالتے ہیں لیکن بے جا لفاظی سے شعر کا مجموعی تاثر زائل کر دیتے ہیں۔

ے اصلیت تھی یا دھوکا تھا، اک فتنہ رنگیں برپا تھا سو جلوے تھے اک پردہ تھا، پردہ نہ رہا تو کچھ بھی نہیں

عطاؔ کاکوی نے ادب کے کئی میدان میں طبع آزمائی کی۔ ان کی شاعرانہ قدامت متوازن کیفیت کی ہے۔ بہت اچھے شعرا کی صف کے برعکس ان کا نام بحر حال لیا جاتا ہے۔ عطا نے روایات کے خزینے کو غزل کے سانچے میں انتخاب کیے بغیر ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔ عطا کا شعری میلان آمد سے زیادہ آورد کی طرف رہا۔ شعر میں تجربے حساسیت اور رومان کی نغمگی نسبتاً کم محسوس ہوتی ہے۔

ے مچل رہے ہیں شرارے چمن کے سینے میں کلی کے دل میں ہے اب جذبہ نمو بھی نیا

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

مظفر حسین کو وہاب اشرفی نے "احساسِ جمال کو شعری مزاج کا مرکزی نکتہ قرار دیا ہے"۔ مظفر کے ہاں عرفان و آگہی کی پرت در پرت گرہیں باہم الجھی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ مظفر نے جمال کے فلسفے کو تجربے کی رو سے گزار کر دیکھا ہے۔ اشعار میں روانی اور برجستگی کا عنصر لائقِ داد ہے۔

؎ تحریر میں جو بھرتے ہیں تصویر کا سا رنگ الفاظ ڈھونڈ لاتے ہیں جانے کہاں سے ہم

پرویز شاہدی کا نام بھی مخدوم کے ہم عصر شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی غزل کا رنگ کلاسیکی ہے۔ ان کے ہاں ترقی پسندی اور سیاسی تغزل کی آمیزش دکھائی دیتی ہے۔ پرویز کی غزلوں میں حسن و عشق کے جذبات ناہونے کے برابر ہیں۔ انن کے ہاں جام و مستی اور سرور و انبساط کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔

؎ مان غمِ دوراں کی شدت کچھ اور بھی بڑھتی جائے گی لیکن غمِ جاناں تیرے لیے اس کو بھی گوارا کیوں نہ کروں

؎ تیری غم خوار نگاہوں کے تصدق کہ مجھے غمِ ہستی کی بلندی نے اترنے نہ دیا

اختر قادری کے ہاں غزل کا رنگ وسیع امکانات کا حامل ہے۔ اختر نے غزل کے ساتھ نظم میں بھی شہرت حاصل کی۔ کلاسیکی غزل کے تتبع سے غزل کی رچاوٹ میں تازگی اور ندرت کا ذائقہ بھرا جس سے شعر کا حُسن دوبالا ہو گیا ہے۔

؎ شباب موسم گل اور چاندنی راتیں اسیر ہجر کو سامانِ غم ہیں یہ باتیں

مسعود اختر جامل کے ہاں وسایل کے ساتھ مسائل کا تذکرہ ملتا ہے۔ انھوں نے غزل کو انقلاب کے دھارے میں مملو کرنے جوش و جذبے کی سچائی کو ابھارا ہے۔ مسعود کی غزل میں جمالیاتی حسیت کی گہرائی کو تغزل کے شعوری ادراک سے ملفوف کر کے غزل کا پیرہن بنایا ہے۔

؎ ہزار بار پلٹ آئے تیرے در سے مگر اُمیدوارِ کرم پھر اُمیدوار آئے

راز الٰہ آبادی نے غزل کا خارجی روپ سنوارنے اور اس میں تخیل کی آمزیش کو ہوشیاری سے کھپانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ راز کے ہاں روایت کا تتبع بھی موجود ہے اور انفرادیت کا اختصاص بھی۔ سہل ممتنع کے شیدا تھے۔ عام اور سادہ انداز کے قائل تھے۔

؎ غور سے راستے کے پتھر دیکھ کتنے ٹوٹے پڑے ہیں تاج محل

ہوش نعمانی نے وطنی شاعری کی، غزل کا رنگ بھی پابند نظم ایسا ہے۔ غزل میں تغزل کا عنصر بہت پھیکا اور سطحی ہے۔ شعر کہتے کہتے شعری تلازموں سے الجھ جاتے ہیں۔ کہیں کہیں بے ساختگی کا رنگ شعر کے حُسن کو مہمیز کر جاتا ہے۔

؎ میرا وطن دیار سخن خلد فن ہے ہوش/میرا وطن زبان و ادب کا چمن ہے ہوش

رند ساغری نے غزل کو پوری طرح کہنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں جدت کے ساتھ روایت کی پاسداری کے ساتھ اس سے استفادہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ معاشرتی ناہمواریوں اور زندگی میں گزرے سانحات سے بے مروتی اور یاسیت کا رنگ جھلکتا ہے۔

؎ جو بجھ گئے تھے سر شام ہی سے چوکھٹ پر وہی چراغ جلے ہیں ذرا سی آہٹ پر

کشفی ملتانی نے غزل میں سہل ممتنع کی روایت کو سہارا دیا۔ کشفی کے مضامین میں روانی اور آراستگی کا عنصر واضح دکھائی دیتا ہے۔ کشفی کی غزل میں درویشی، مستی، اور دنیا سے بیزاری کا رجحان ملتا ہے۔

؎ فقیروں کے تکیوں میں شاید سکوں ہو امیروں کی تو دیکھ لیں بارگاہیں

ظفر گورکھپوری نے غزل کو ہجرت کے فسادات سے دور رکھتے ہوئے تغزل بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں عموماً بحرِ طویل سے دلچسپی کا عنصر فراواں نظر آتا ہے۔ ظفر نے سماج کے پروردہ نظام کی منافقت اور مفاد پرستی کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

؎ گلے تک آ گیا دلدل لبوں پہ پھر بھی نالے ہیں اب اس سے اور بڑھ کے کیا برے دن آنے والے والے ہیں

باقر مہدی کا ذکر اسی عہد کے معروف شعرا میں ہوتا ہے جنھوں غزل کو عظمتِ انسانی کا ترجمان بنایا۔ باقر نے اپنی غزلوں میں سیاسی و سماجی مسائل کا رونا رویا ہے اور خوب نکتے نکالے ہیں جو توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

؎ چنگاریاں سی اُڑتی ہیں اشکوں سے صبح تک شاید کہ انقلاب ابھی تک دلوں میں ہے

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

قمرؔ تنویر پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ ان کی غزل کا رنگ ادبی معاصرین سے جدا ہے۔ قمر نے جدید حسیت کو مشاہدے کے زور پر تجربہ کی کار گزار بنانے کی شعوری کوشش کی۔ قمر نے روایت کے تتبع کے ساتھ جدیدیت سے بھی رشتہ متصل رکھا۔ ڈاکٹر عفت زریں لکھتی ہیں: "قمر نے پوری زندگی گوشہ نشینی میں گزاری اور حقایق کی دریافت کے عمل کو شاعرانہ مصوری سے مرقع کرنے میں ہنر صرف کیا جو ان کی غزل کا اعجاز ہے۔"[۷]

؎ منتشر ہے ذہن دل ویراں نظر تقسیم ہے اے خدا مجھ کو بچالے میرا گھر تقسیم ہے

علاؤالدین کلیمؔ کا وسیع مطالعہ غزل کے مخالف ٹھہرا۔ کلیم نے متجسس ذہن کو مزید حیران کرنے کی کوشش میں غزل کے نرمل، گداز اور سجیلے لہجے کو طنز کی نشتریت سے بھر دیا۔

؎ روشنی کی جستجو کیسی کہاں کی روشنی جل بجھے آخر میں دونوں شمع کیا پروانہ کیا

نامیؔ انصاری نے غزل کو لکھنو کی شعری روایت سے دور رکھتے ہوئے اپنی الگ شناخت قایم کی جس میں ان کا اسلوب اور طرزِ بیان بھی روایت سے ہٹا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ نامی کی غزل کا نظام داخلی احساس سے عبارت ہے۔

؎ دلوں کے رنگ عجب، رابطہ ہے کتنی دیر وہ آشنا ہے مگر، آشنا ہے کتنی دیر

فضاابن فیضیؔ نے غزل میں سوچنے والے طبقے کو متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نظموں اور رباعیوں میں احتجاج کا عنصر ملتا ہے۔ فضا الفاظ کے دروبست سے باخوبی واقف تھے۔ شعر عموماً پُر لطف اور سراپا گداز کے حامل ہیں۔

؎ بس دو قدم ہے حرف و قلم سے صلیب تک یہ فاصلہ بھی تیری سیاست مٹا نہ دے

وفاؔ ملک پوری نے جملہ اصنافِ شعری میں طبع آزمائی کی۔ ان کی غزل کا رنگ جدت سے مزین ہے۔ وفا نے ہجر و وصال سے معاشرت و سیاست کے موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ زبان پر گرفت سے برجستہ شعر نکالنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ مشاعروں میں بطور خاص مدعو کیے جاتے تھے۔

؎ لذت درد محبت بھی ہے اک نعمت خاص عام لوگوں کو میسر یہ کہاں ہوتی ہے

غلام ربانی تاباںؔ عمدہ غزل کے شاعر ہیں۔ انھوں نے اُردو کی غزلیہ روایت کو آگے بڑھانے میں دہلوی رنگ کے تشخص کو اپنی غزلوں میں خوب نمایاں کیا۔ تاباں کے ہاں رومانیت اور حُسن و عشق کے مضامین کا باہمی اتصال خوبصورت مرقع کی صورت لیے ہوئے ہے۔ جمالیات کا اعلیٰ ذوق ان کی غزل کا فنی امتیاز ہے۔

؎ بات صرف اتنی ہے زندگی کی راہوں پر ساتھ چلنے والوں کو ہم سفر نہیں کہتے

منظرؔ شہاب عمدہ شاعر ہونے کے ساتھ اچھے موسیقار بھی تھے۔ ان کی غزل میں موسیقی اور غنایت کا عنصر شعر کی چاشنی اور لطافت کو سوا کر دیتا ہے۔ منظر نے جنسی میلانات اور ہجر و وصال کو خوب مزے لے کر بیان کیا۔

؎ پیرہن جاں چاک رہے تیز ہوا میں طوفان میں جینے کی ادا چاہیے یارو

ادریسؔ احمد دوراں ایک گمنام شاعر گزرے۔ ان کا کلام سامنے نہ آسکا۔ انھوں نے غزل کو وسیع تر امکانات سے روشناس کروایا۔ بھرتی کے اشعار کی کثرت ہونے کے باوجود غزل کا نظام جملہ فنی لوازمات سے مرصع دکھائی دیتا ہے۔

؎ جھکتے ہیں سبھی اس بت طناز کے آگے بس ایک یہ دوراںؔ ہے جو سر خم نہیں کرتے

کاوشؔ بدری حمایت علی شاعر کے ہمعصر ہیں۔ ان کی غزل میں مکالمے کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ حسن و عشق اور عشوہ و غمزہ کا شعری کا سمیٹک استعمال کرنے کی فنی صلاحیت رکھتے تھے۔

؎ خدا کے ساتھ وہ من میں صنم بھی رہتا ہے چھپا کے ابر کے اندر خرم بھی رکھتا ہے

طرزؔ لکھنوی نے لکھنو کی کلاسیکی روایت کو بھرے رچاو اور تراوٹ کے ساتھ غزل میں مرصع کیا ہے۔ طرز لکھنوی کے ہاں مضمون کی چستی اور بندش کا عمل بطور خاص اہتمام لیے ہوئے ہے جبکہ موضوع کی گرفت پر دھیل دکھائی دیتی ہے۔ مرصع اور مقفیٰ سے مقیش انداز مبالغہ کا پتہ دیتا ہے۔

؎ ہم سا بھی اب کہاں ہے ثناخوانِ لکھنو ہم پر ہے ختم چاکِ گریبانِ لکھنو

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

سلیم بے تاب نے غزل کو وسیع امکانات سے روشن کرنا تھا مگر جواں مرگ ثابت ہوئے اور دنیا چھوڑ چلے۔ ان کے منتخب یادگار اشعار ان کی فنی لیاقت اور شاعرانہ عظمت کا پتہ دیتے ہیں۔

؎ شہروں کی خاک چھان کے آیا ہوں گاؤں میں کتنا سکوں ملا ہے درختوں کی چھاؤں میں

نامی انصاری گمنام شاعر ہیں اور حیات میں بھی انھیں نقادوں نے گمنام ہی رکھا۔ نامی نے غزل کے تیور کو مزید تیکھا کرنے میں اپنی طبیعت کی شوخی اور چنچل مزاجی کو مدغم کیا۔ سماجی اقدار کے انحطاط کا ماتم بھی رویا اور حسن و عشق میں رسوائی سے رسائی تک کے مضامین بھی باندھے۔

؎ کوئی بات اس میں ضرور تھی جو مرے خیال میں رہ گئی اسے کیوں فریبِ نظر کہوں جسے میں نے دیکھا تھا خواب میں

ناوک حمزہ پوری نے ہلکی پھلکی غزل کہی۔ ادب اطفال اور تدریسی امور میں وقت زیادہ صرف کیا۔ عام فہم انداز میں ہلکے پھلکے روزمرہ معاملات کو سادہ، آسان اور سہل زبان میں غزل کا پیرہن بنایا۔

؎ کھلے گا اس کی رداداریوں کا بھی تو بھرم بلا سے خاک میں وہ مجھ کو بھی ملا دے گا

صابر آردوی نے غزل میں نزائی جذبات کی پیش کش کو کلاسیکی روش سے ملفوف کر کے پیش کیا ہے۔ صابر الفاظ سے مجسم صورتوں کو آویزاں کرنے میں ماہر ہیں۔ ان کے اشعار ذہن کے دوش پر تادیر سوار رہتے ہیں۔

؎ اہل ایماں کو بصیرت کی ضیا ملتی ہے اس چمن زار میں خوشبوئے وفا ملتی ہے

عابد صدیق نے روایتی اندازِ سخن میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کی لفظیات جذبے کی صداقت اور معاشرے کی منافقت کو تیشے کی نوک سے کرید کرید کر طشت از بام کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

؎ جانے کیا رنج تھا عابد اُسے ہم سے ورنہ بات اتنی تو نہ تھی جتنی بڑھائی اُس نے

فرحت قادری نے داخلی تاثر کو خارجی احساس سے مملو کرنے شعر کی کوکھ میں نئے گل کھلائے ہیں۔ فرحت کی غزل میں کلاسیکی روایت کا استفادہ شامل ہے۔ فرحت نے ذاتی تجربوں کو ماتم نہیں بنایا بلکہ اسے تعمیر کی نظر سے دیکھا جو مہمیز کا کام کرتا ہے۔

؎ میرے ننگے تن کو دے کر تنہائی کا پیرہن میرا سایہ تاریکی میں مجھ کو چھوڑ گیا ہے کیوں

پرکاش فکری نے نظم و غزل میں یکساں طبع آزمائی کی۔ ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ مغربی ادب کے رسیا ہونے کی وجہ سے انھوں نے غزل کے سانچے کو فطرت سے ہم آہنگ کیا۔ غزل کا مزاج کلاسیکی رہا مگر جدت سے ندرت کی طرف طبیعت مایل رہی۔

؎ کوئی مٹھی میں کرے قید پھسلتا پانی ہیں یہ لمحات کہاں ہاتھ میں آنے والے

رضی اختر شوق جدید اُردو غزل کا معتبر نام ہے جس نے غزل کے سانچے کا پھیلاؤ آفاق تک پھیلانے کی شعوری کوشش کی۔ رضی نے غزل میں روایت کے تتبع کی بجائے خود پر گزری زندگی کے سانحات کو بیان کرنے پر توجہ مرکوز رکھی۔ ان کی طبیعت میں افسردگی اور یاسیت کا غلبہ نسبتاً زیادہ تھا۔ ٹوٹے ہوئے دل کی صداؤں کا ماتم ان کی غزل کا اثاثہ ہے۔

؎ کتنا پھیلے گا یہ اک وصل کا لمحہ آخر کیا سمیٹو گے کہ اک عمر کی تنہائی ہے

؎ یہ روشنی تو مجھے اور کر گئی تنہا دیئے جلائے تو سائے بھی بام و در سے گئے

راحت چغتائی کے ہاں تنویر سپرا کا سوز اور آہنگ موجود ہے۔ زندگی کی تلخیوں اور حالات کی کٹھنایوں کا بکثرت ذکر ان کی غزل میں ملتا ہے۔ دُنیا کی بے رخی اور رشتوں کی منافقت کو یاسیت زدہ احساسات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

؎ میں تو دیوانہ ہوں اک سنگِ ملامت ہی سہی لیکن اتنا سوچ لو شیشے کے گھر میں کون ہے

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

نشورؔ واحدی اسی عہد کا ممتاز شاعر ہے جس کے ہاں غزل واقعی ایک جانداز اظہار کا پیرایہ بن گئی ہے۔ نشور نے ریاض خیر آبادی کے شعوری تتبع میں خمریہ موضوعات پر لکھااور اس میں اضافہ کیا۔ رندانہ تجربات کو غم کی لے سے ملفوف کر کے غزل کے ذائقہ کو بقول فراز شراب کو شرابوں میں ملا کر نشہ بڑھایا۔ ترنم اور درد اور موسیقی کا سنگم نشور کی غزل کا حسن اعجاز ہے۔

؎ کہیں کلی نے تبسم کا راز سمجھا ہے جو خود چمن ہے وہ اپنی بہار کیا جانے

شمیم کرہانی نے غزل کو جذباتی رو کے متوازی قلبی حدت کے انفعالی تاثر میں رکھ کر دیکھا ہے۔ شمیم نے الفاظ سے تاریخی شعور کا کام لیا ہے۔ زبان سادہ مگر فکر اتھاہ گہرائی کی حامل ہے۔ شعر پڑھتے ہوئے شعر کے سیاق سے ذہن الجھتا محسوس ہوتا ہے۔

؎ تمہاری بات نہیں تم تو باوفا ٹھہرے گلہ ہے ان سے جو ایفائے عہد تک نہ جئے

واقف سعظیم آبادی کی غزل کا تانا بان کلاسیکی روایت سے اخذ شدہ ہے۔ واقف نے لایعنی مشاہدے کو تجربے کی صداقت قرار دیا ہے۔ واقف کے ہاں علامتوں کو تمثیلی انداز میں برتنے کا رجحان ملتا ہے۔ واقف نے طنز کو اصلاح کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔

؎ یہاں شورِ عنادل ہے وہاں کلیاں چٹکتی ہیں کسی کو کیا خبر بادِ صبا آگے ہے یا پیچھے

خورشیدؔ جامی مقبول شاعر ہوئے۔ ان کی غزل ایک وسیع جہان رکھتی ہے۔ ممنوعہ موضوعات کو سہل انداز میں پس پردہ اشعار بیان کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ سچائی اور ریاست کے داعی ہیں۔ غمِ حیات سے ناامید ہونے کی بجائے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔

؎ آپ کے شہر میں اب کے تو بڑی رونق تھی لوگ ہاتھوں میں صلیبوں کو لیے چلتے ہیں

مخمورؔ سعیدی جدید اُردو غزل کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔ مخمور نے غزل کی تنگ دامانی کو اپنے رومانوی خیالات سے وسعت دینے کی کوشش کی۔ ان کی غزل میں محبت مرکزی موضوع کی حیثیت سے موجود ہے۔ وجود کی ازیت سے متصل کشمکش کا تجرباتی انحطاط مخمور کی غزل میں نہایت سلقیے سے بیان ہوا ہے۔

؎ پر جھڑ کے ہاتھ نوچ رہے ہیں بدن کی کھال اُترا لباس سبز برہنہ ہوئے درخت

صدیق مجتبیٰ نے تنہائی، بے پناہی، ہجرت اور درد و کرب کو غزل کا موضوع بنایا۔ ان کے ہاں زندگی کی اذیت ناکیوں کا تسلسل ملتا ہے۔ امید و یاس کی کشمکش کا انداز مخصوص لفظیات کے صوتی آہنگ میں ڈھل کر قاری کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

؎ یہ کیسا دکھ ہے جو روتا ہے سسکیاں لے کر کھنڈر میں کون ہے روپوش بولتا بھی نہیں

والی آسی کی غزل کا رنگ کلاسیکی روایت سے مستعار ہے۔ والی نے نسائی جذبات کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے ہاں زندگی کی رنگینی کا بھرپور بیان ملتا ہے۔ والی نے غزل کو نرمل اور کومل جذبات سے لبریز کیا ہے۔

؎ ہم جو کچھ ہیں جیسے ہیں ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں چہرے پر بھبھوت نہیں ملتے، کبھی کالے بال نہیں کرتے

محمد علی موجؔ نے اُردو شاعری کو نرمی، نزاکت، نغمگی ور نفاست سے مزین کیا ہے۔ ان کے ہاں غم جاناں اور غم دوراں کا مدغمی احساس ہوتا ہے۔ طلسماتی لب ولہجے سے متصف اس شاعر کی غزل عہد حاضر کی ترجمان بن گئی ہے۔

؎ اندھیرے جس کی لکیریں مٹائے دیتے ہیں اس ہتھیلی پہ سورج ابھرنے والا ہے

کمالؔ احمد صدیقی نے غزل کو شاعرانہ معنویت سے آراستہ کیا۔ کمال کے ہاں کلاسیکی اور جدید رنگ کی صاف آمیزیش دکھائی دیتی ہے۔ کمال نظموں اور غزلوں میں اخلاقی اقدار اور تہذیب کے زرخیر سجھاؤ کے منفی رجحان پر احتجاج کیا ہے۔ کمال نے گویا غزل کو اپنے عہد کے بیانیے کا ترجمان بناڈالا۔

؎ بے وفا پر کمال مرتے ہیں عقل جی کام لیجیے صاحب

نریش کمار شادؔ کی غزل کا رنگ سراپا سوگوار ہے۔ نریش نے حیاتِ چندروزہ کو طولانی سمجھ کر اس سے برات اور بیزاری کا مسلسل اظہار کیا۔ نریش نے جذبات کے انخلا کے لیے غزل کو میرؔ کی طرح اپنا ہمسفر اور غم خوار بنائے رکھا۔

؎ آ غم زندگی! اُداس نہ ہو آ، تجھے ہم گلے لگاتے ہیں

Vol. 6 No.4 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

منظور ہاشمی نے غزل کو گنگنانے کی چیز بنایا۔ ان کے ہاں مترنم بحروں کا استعمال زیادہ ہے۔ زندگی کی مسرتوں اور شادمانیوں کا نشاط انگیز بیان غزل کے فن کو آراستہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ منظور نے غزل کو تغزل بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

؎ کوئی آواز اُس سمت سے پھر آئے گی ہم بھی پھر اُس کے تعاقب میں نکل جائیں گے

ظفر غزالی نے غزل کے کینوس کو حسین رنگوں سے پوٹریٹ کیا ہے۔ ظفر کے ہاں لطیف پیرایہ اظہار ملتا ہے۔ ظفر نے عصری حسیت کو ذاتی تجربے کی حدت سے توانائی دینے کی کوشش کی ہے۔

؎ دیوار کس کے پاس ہے در کس کے پاس ہے آباد سارا شہر ہے گھر کس کے پاس ہے

فرید جاوید کی شاعری میں احساس کو بنیادی دخل حاصل ہے۔ فرید نے جذبات کی وارفتگی کو غزل کا حاصل قرار دیا ہے۔ عشق اور عشق کی تفہیم ان کے ہاں جزو کل کے ساتھ متشکل ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

؎ ہم نغمہ سر کچھ غزلوں کے ہم صورت گر کچھ خوابوں کے بے جذبہ سنائیں کیا کوئی خواب نہ ہو تو بتائیں کیا

رشید کامل کی غزل کا موضوع قناعت و اخلاق و اقدار کی ترجمانی تک محدود ہے۔ کامل نے غزل کو اپنے احساسات کے اظہار تک محدود رکھا۔ ان کی زمین سطحی اور کاشت سست ہے۔ کلام میں کہیں کہیں اچنبھے کی کیفیت اچانک طبیعت گداز کر دیتی ہے۔

؎ میں کہ تھا اک خام کا پتلا بنامِ زندگی رکھ لیا تو نے لہو میں اک شرارا کس لیے

رام ریاض نے زندگی کی سادگی اور تیز دھارے میں بے اختیار بہہ جانے والے جذبات کو غزل کا موضوع بنایا۔ ان کے اشعار ترشے اور سلیقے سے وزن میں بندھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ رام کی سوچ کا دھارا دیہاتی پس منظر سے نکلتا ہے۔

؎ کھیتوں میں پھر سرسوں کی رت آ پہنچی آج تجھے بن دیکھے پورا سال ہوا

ناظر صدیقی نے غزل کو ناآسودہ خواہشات کے اظہار کا نام دیا ہے۔ ناظر کے ہاں ایک نامکمل احساس کی خام آرزو ہے جو اسے بے چین رکھتی ہے اور آگے بڑھنے سے روکتی ہے۔ شعر عمدہ کہتے ہیں۔ زبان پر گرفت محسوس ہوتی ہے۔

؎ میں سمجھتا تھا مجھی کو دھوپ نے جھلسا دیا سائے کو ترسا ہوا سا اک شجر ہے سامنے

مراتب اختر کی غزل میں روزمرہ زندگی کی رقصاں تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ مراتب نے فطرت سے لگاؤ کو ذہن کی آماجگاہ بنا لیا تھا۔ مراتب کی غزل میں زمین سے اُٹھ کر افلاک کو چھونے کی حسرت دکھائی دیتی ہے۔

؎ بادل نے بڑھ کے چاند کا چہرہ چھپا لیا اک بات کر رہی تھی مرے ساتھ چاندنی

عزم سہریاوی کے ہاں داخلی گہرائی کا شعور موجود نہیں۔ خارج کے مظاہر سے اشعار کو موزوں کرتے ہیں۔ غزل کے علاوہ نظم اور قطعات و گیت میں بھی طبع آزمائی کی۔ غزل ان کے بس کی نہیں تاہم مسلسل شعر کہہ رہے ہیں۔ کہیں کہیں تغزل کا رنگ شعر کو تازگی دے جاتا ہے۔

؎ بڑے تنگ دل ہیں بہت تنگ دامن جو کرتے ہیں کم اور جتاتے بہت ہیں

انوار انجم نے غزل کو محبت کی زبان بنانے میں اپنا خونِ جگر صرف کیا۔ انوار کی غزل کا موضوع معاشرے کی طوطا چشم منافقت ہے جس میں دلوں کے کومل جذبے سلگتے سلگتے جل بجھتے ہیں۔

؎ وہ بے وفا کوئی دم اور جو ٹھہر جاتا رہِ طلب میں یہ دل یوں نہ در بدر جاتا

مذکورہ شعرا کے علاوہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں شعرا ہیں جنھیں وقت کی دھول نے روند ڈالا اور ہمیشہ کے لیے نابود کر دیا۔ نقادوں، محققین اور ادبی مورخین اگر تعصب سے بالاتر ہو کر غیر جانبدارانہ انداز میں دبے کتبوں کو دریافت کریں تو ایک گنج ہائے گراں مایہ انھیں میسر آئے گا جس سے صنفِ غزل کو مزید کمک پہنچے گی اور اردو زبان و ادب کو ان گمنام شعرا کے توسط سے مزید وسعت اور پھیلاو حاصل ہو گا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615
Vol. 6 No.4 2023

حوالاجات:

1. عبدالسلام،مولوی،شہر الہند،حصہ اول،(اعظم گڑھ:مطبع معارف، ،1949)،ص161
2. جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اُردو، جلددوم (لاہور : مجلس ترقی ادب، ،2008)،ص915
3. ظہیراحمد صدیقی،پروفیسر،فقیر محمدگویاؔ :شخصیت اور فن،مشمولہ،مضمون،سہ ماہی،ادیب،جنوری،1986،ص74
4. وہاب اشرفی،پروفیسر،تاریخ ادب اُردو،جلداول،(لاہور:عبداللہ اکیڈمی ،2021)،ص265
5. کلیم عاجز،بہار میں اُردو شاعری کا ارتقا،(لکھنو:آفیسٹ پریس، ،1998)،ص212
6. روحی حسن،ڈاکٹر،فضل حق،عصر،حیات اور فن،(پٹنہ:سائنٹفک پبلشرز، ،1980)،ص41
7. مظفر حنفی،ڈاکٹر،جہات و جستجو،(دہلی:مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ،1982)،ص120

Reference

1. Abdus Salam, Maulvi, Shahr-ul-Hind, Part I (Azamgarh: Mataba Maarif, 1949), p. 161.
2. Jameel Jalbi, Ph.D., History of Urdu Literature, Volume II (Lahore: Majlis Traqhi Adab, 2008), p. 915
3. Zaheer Ahmad Siddiqui, Professor, Faqir Muhammad Goya: Personality and Art, Covered Articles, Quarterly, Adib, January, 1986, p. 74
4. Wahab Ashrafi, Professor, History of Urdu Literature, Volume I (Lahore: Abdullah Academy, 2021), p. 265
5. Kalim Azim, The Evolution of Urdu Poetry in Bihar (Lucknow: Office Press, 1998), p. 212
6. Ruhi Hasan, Dr. Fazal Haq, Asr, Hayat, and Art (Patna: Scientific Publishers, 1980), p. 41
7. Muzaffar Hanafi, Dr., Dimensions and Quest (Delhi: Muktaba Jamia Limited, 1982), p. 120